

تفسیر قرآن میں منظم کلام کی مشکلات

ترتیب و ترجمہ: خالد مسعود

متعدد وجوہ ایسی ہیں جن کے باعث قرآن کا نظم یا تو واقعی مخفی ہو گیا ہے یا قاری سے مخفی رہتا ہے۔ ان وجوہ میں سے بعض کا تعلق کلام کی خصوصیات سے اور بعض کا خود قاری کی ذات سے ہے۔ ہم یہاں چند نمایاں وجوہ کی طرف اشارہ کریں گے۔

خصوصیات کلام پر مبنی وجوہ

۱۔ کلام کے بعض اجزاء کو بیان میں اس لئے حذف کر دیا جاتا ہے کہ ان کی طرف رہنمائی بیان کردہ اجزائے کلام سے بخوبی ہو رہی ہوتی ہے۔ اگر یہ حذف کسی قصہ میں ہو تو محذوف جز، ایک غبی اور کند ذہن آدمی کے سوا ہر شخص پر واضح ہو تا ہے۔ سورہ یوسف میں قصہ کے حذف کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ جب حذف دلائل یا مثال میں ہو تو محذوف کسی ایسے شخص پر مخفی نہیں رہ سکتا جس کا ذہن بیدار اور عقل روشن ہو، جیسا کہ اکثر اہل عرب کا حال تھا۔ اگر عربوں کے اشعار، ان کے خطبے، مسیح کلام اور حکیمانہ اقوال ہم تک نہ پہنچنے ہوتے تو ہم ان کو بھی دوسری اقوام ہی کی صف میں رکھتے۔ لیکن جب ہم ان کے ایسے افراد کا شاندار کلام دیکھتے ہیں جو لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتے تھے یا ان کی خواتین کا کلام، بالخصوص وہ کلام جو ارتجالاً کہا گیا، دیکھتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ اہل عرب نہایت ذہین تھے۔ وہ بات کو اجزائے کلام کے پورا ہونے سے پہلے ہی سمجھ جاتے، طویل کلام کو عیب سمجھتے اور ایجاز و اختصار ان کو پسند تھا۔ قدیم اہل یونان میں سے اسپارٹا کے لوگ

عربوں کے کلام کی خصوصیات نظر آئیں گی۔

۲۔ بعض اوقات کلام میں حذف نہیں ہوتا لیکن بظاہر اس کا لگان ہوتا ہے جس مضمون کے محذوف ہونے کا شبہ ہوتا ہے وہ آگے آنے والی آیات میں دوسرے اسلوب میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ اگر اس کو پہلے بیان کر دیا جاتا تو وہاں وہ زائد از ضرورت ہوتا۔ اس کے برعکس کہیں ایک ہی بات کو دوبارہ کہا گیا ہے جس کا مقصد تاکید ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ
مَا الْعَقَبَةُ فَكَرُّ نَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ
ذِي مَسْغَبَةٍ (البقرة: ۱۱۰-۱۱۳) میں کھلانا۔

اسلوب میں اس طرح کی تبدیلیاں قرآن کی خصوصیات میں سے ہیں۔ ایسے مقامات نخیلوں کے لئے تو ایک مصیبت کھڑی کر دیتے ہیں لیکن ان کی بدولت بیان نہایت آسان واضح اور شیریں ہو جاتا ہے۔

۳۔ متکلم کی مزاجی کیفیت سے ناواقفیت بھی فہمِ نظم میں مشکل پیدا کرتی ہے۔ متکلم کبھی غصہ میں ہوتا ہے، کبھی حقارت یا حسرت سے بات کرتا ہے، کبھی وہ مخاطب سے منہ پھیر کر بات کرتا ہے۔ کلام میں ان جذبات کے اظہار کی مخفی علامات موجود ہوتی ہیں لیکن جو شخص واقعہ حال نہیں ہوتا وہ ان پر مطلع نہیں ہونے پاتا۔ جو چیزیں اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں وہ کلام کا اسلوب اور اس کے معانی دونوں ہیں۔ اسلوب میں استفہام کا انداز، خطاب کا طرز، سرعت التفات، کلام کی درشتی اور اس کا طول وغیرہ شامل ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ نسا کی آیت ۱۵۵ فَمَا أَنْفَضْنَاهُمْ مِنْ شِقَاقِهِمْ وَكُفِّرْهُمْ بآيَاتِ اللَّهِ اور اس کے بعد کی آیات پر غور کرو۔

ان امور کے لئے کلام میں اگر کچھ ظاہری علامات ہوتیں تو اہلِ عجم کے لئے ان سے رہنمائی کا سامان ہو جاتا لیکن یہ چیز اجزاء کلام کی نوعیت کی ہے۔ اس کا تعلق کلام کی روح سے ہوتا ہے جس کی طرف رہنمائی بس قلب کی ضرورت ہی کر سکتی ہے سننے والا کلام کے مدلول کو سمجھ جاتا ہے لیکن ایک مصنوعی ادیب پر اس کی طبیعت نہیں ملے گی۔

اگر کسی شخص کے اندر یہ خاصیت پائی جائے کہ وہ ایک ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہو جس میں حسرت، غضب، شفقت، وغیرہ جذبات کا اظہار بے حد زیادہ ہو حالانکہ اس کی اپنی کیفیت اس کے برعکس ہو تو ایسا شخص سب سے بلیغ اور وسیع تخیل کا مالک شمار ہوتا ہے اور یہ خصوصیت کلام کا سحر ہوتی ہے۔ ایسے شخص کے کلام کی خصوصیات کا حامل کلام کہنا دوسرے لوگوں کے لئے اگرچہ مشکل ہوتا ہے لیکن ممکن ضرور ہے۔

ایک شخص اگر کسی بادشاہ یا حکیم کا کلام اس کے شکوہ، کبریائی اور رفعت کو ملحوظ رکھ کر اسی کی طرح کہنے پر قادر ہو جائے کہ وہ سننے والوں کو بھی شبہ میں ڈال دے تو ایسا شخص فنِ خطابت کے بلند ترین مرتبہ کا حامل ہوتا ہے۔ البتہ اس کا عیب بھی کبھی کبھی ظاہر ہو جاتا ہے، جیسا کہ کہاوت ہے:

ليس التكحل في العينين كاللحل
آنکھوں میں سر نہ لگانا ان کی قدرتی سیاہی کا بدل نہیں ہوتا۔

المراءىء مغبوء تحت لسانه
آدمی کی شخصیت کی پہچان اس کی زبان سے ہو جاتی ہے۔

اگر عیب کلام سے ظاہر نہ بھی ہو جب بھی کلام پیش کرنے والا شخص بادشاہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دونوں دو مختلف انسان ہیں۔
اگر کوئی شخص کلامِ الہی کی نقل کرنے کی جسارت کرے اور اپنے اس کلام کو ایسے دانشوروں، خطیبوں اور شاعروں کے سامنے پیش کرے جو کلام کو پہچانتے اور اس کی روشنی میں اس شخص کے کلام کا تنقیدی جائزہ لے سکتے ہوں تو عقل یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی کہ یہ لوگ کلام میں بلندی کی جگہ لیتی اور اس کے انداز میں آدمی کے دعویٰ کے برعکس مختلف انداز کلام کو بھانپ نہ سکیں۔ ملٹن (MILTON) جیسے ادیب نے یہ غلطی کی ہے کہ شیطان کے کلام کو بھی وہی انداز دے دیا ہے جو صرف رب کے کلام کو زیبائے۔

پھر یہ بات © rasailojaraid.com کی عظمت شان اور اس کے

اقتدار کی قوت کو اس طور سے نمایاں کیا ہے کہ جس کی مثال کسی دوسرے دین میں نہیں ملتی۔
کلام الہی کا انداز بھی اس کے علوئے شان کے عین مطابق ہے اور اس کی منزلت سے کسی طرح کم تر
نظر نہیں آتا۔ اس کلام پر یہ آیت بالکل صادق آتی ہے۔

لَوْ أَنْزَلْنَاهُ الْتُرَّانَ عَلَى جَبَلٍ اِکْرَاسِ قُرْآنَ کُومِ کِی سِہاڑ پڑتا تے تو تم
لَرَأَیْتُمْ کَحَاشَیَا تَصَدَّعًا مِّنْ خَشَیَةِ اللّٰهِ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ لَضَرِبُهَا لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (حشر: ۲۱) ہیں تاکہ وہ سوچیں۔
دیکھتے کہ وہ خشیت الہی سے پست اور پاش پاش
ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے

اہل عرب نے قرآن کے اندر رقت و شکوہ محسوس کیا تو پہلے اس کو شعر کی طرف نسبت دی
کیونکہ وہ شعر ہی کو دلوں کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والی چیز سمجھتے تھے۔ پھر جب وہ اس نسبت سے
خود مطمئن نہیں ہوئے تو انھوں نے قرآن کو سحر قرار دیا۔ ان کا خیال یہ بھی ہوا کہ یہ جنوں کا کارنامہ ہے
اسی لئے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنا شروع کر دیا۔

۴۔ قرآن کریم میں کہیں کہیں متفرق آیات آتی ہیں، پھر ان کے بعد کوئی ایسی حقیقت بیان
ہوتی ہے جو ان متفرق آیات کو جمع کر لیتی اور ان میں وحدت پیدا کر دیتی ہے۔ تب معلوم
ہوتا ہے کہ وہ متفرق آیات بعد میں بیان ہونے والی حقیقت کی تمہید کے طور پر تھیں۔
اس کی مثال سورہ بقرہ کی آیات ۱۵۹-۱۷۷ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۵۔ نظم کے مخفی ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمہیدی مضامین اور معترضہ جملے عام انداز میں بیان
ہوئے ہیں جب ایسے مقامات پر کلام کا رخ کسی خاص جانب کو ہے۔ ایسے مواقع پر لازم
ہوتا ہے کہ عام کو بھی اس کی خاص جہت کی طرف لوٹایا جائے۔

۶۔ متعدد مقامات پر کلام میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے لیکن موقع ایسا ہوتا ہے کہ بات
کو خاص کر دینا مقصود نہیں ہوتا۔ کچھ چیزیں تو ہیں ہی ایسی کہ جن میں اشتباہ کو برقرار
رکھنا ہی مطلوب ہے، مثلاً قیامت کی گھڑی جس کا وقت واضح نہیں کیا گیا۔

قاری کے فہم پر مبنی وجوہ

۱۔ مفسر کسی خاص فن سے تعلق یا اس میں اختصاص بھی نظم قرآن کو مخفی کرنے کا باعث

بن جاتا ہے۔ علم کلام سے شغف رکھنے والا ہر چیز میں مسئلہ جبر و قدر کا حل تلاش کرے گا، جیسا کہ امام رازیؒ کی تفسیر میں تم دیکھتے ہو۔ صوفیانہ مزاج کا حامل مفسر ہر آیت میں روح کی حقیقت اور باری تعالیٰ کے ساتھ اس کی نسبت کو تلاش کرنا نظر آئے گا۔ ایک فقیہ فروعی احکام کو زیادہ اہمیت دے گا۔ ایک محدث غیر مشہور روایات کو بھی جید قرار دے کر کوئی ایسی چیز پیش کر دے گا جس سے نظم قرآن کا سرشتہ گم ہو کر رہ جائے۔

۲۔ شک میں مبتلا ایسے کثیر لوگ ہیں جو کسی ایک رائے پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ مختلف اقوال کو تفسیر کے طور پر جمع کر لیتے ہیں۔ ان مختلف اقوال کے اندر سے ایک ایسا قول برآمد کرنا مشکل ہو جاتا ہے جس سے نظم کلام درست ہوتا ہو۔

۳۔ بعض لوگ کسی خاص مقصد سے قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ الفاظ کو پھیر کر اپنے مطلب کے ایسے معانی پہنچا دیتے ہیں جن کی قرآن میں کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ وہ ہر کمزور معنی پر، جو ان کی موافقت میں ہو، اعتقاد کر لیتے ہیں اور ہر اس واضح معنی سے، جو ان کے غیر موافق ہو، آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

۴۔ نظم قرآن کے مخفی رہنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مدینیت کے تقاضوں سے لوگوں کی طبائع ان لوگوں سے بے حد مختلف ہو چکی ہیں جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ شہریوں کے اندر خاص میلانات پیدا ہو جاتے ہیں، طبیعتیں ایک غیر فطری سانچے میں ڈھل جاتی ہیں جو اس فطری سادگی سے کوسوں دور ہوتا ہے جو آزاد فضا میں رہنے سے حاصل ہوتی ہے اور جس میں کوئی کجی نہیں ہوتی۔

قرآن میں گہرائی ہے لیکن اس کے باوجود وہ محدود و مقید نہیں ہے۔ چونکہ اس کا سرچشمہ فطرت سے بھٹا ہے اس لئے اس میں رفعت بھی ہے اور وسعت بھی۔ شہری اور بدوی عقل میں وہی فرق ہے جو ان کی بصارت میں ہے۔ شہریوں میں تم زرقا کو پاؤ گے نہ ابن حلتزہ کو اور بدویوں میں تمہیں کوئی حریر سی نہیں ملے گا جو غیر مانوس الفاظ اور منقش زبان لکھتا ہو۔

تفاسیر میں خطا کے اسباب

تفسیر میں خطا کے اسباب © rasailojaraid.com

ہے۔ ان کے علاوہ دوا اور خاص پہلو ہیں جن کے باعث تفسیر غلط ہوتی ہے۔ یہاں ہم ان کا ذکر کریں گے۔

۱۔ جب سے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب میں فرقہ واریت اختیار کی ہے ہر فرقہ نے ایک خاص مذہب کو اختیار کر لیا ہے جو فروعات میں دوسرے فرقہ سے بالکل الگ ہے۔ اس نے یہ بھی مان لیا ہے کہ اگر اس فرقہ کے مذہب کی مخالفت میں کچھ کہا جائے گا تو وہ باطل محض ہو گا چنانچہ تمام فرقوں نے قرآن کی تاویل بھی اپنے اپنے مذہب کے مطابق کر دی۔ وہ قرآن کی طرف دل کی سادہ لوح کے ساتھ نہیں آئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفسرین کی تفسیر میں ایک دوسرے کے مخالفت ہو گئیں۔ ایک مفسر کے لئے واجب ہے کہ تفسیر کرنے سے پہلے وہ کوئی مخصوص مذہب نہ رکھتا ہو۔ ایک مقلد کے لئے قرآن میں غور کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

پاک شواہد و پس دیدہ برآں پاک انداز

۲۔ متکلمین کا امتحان یہ ہے کہ وہ ہر اس حقیقت کا انکار کر دیتے ہیں جو ان کے نقطہ نظر کے خلاف دلیل بنتی ہو۔ وہ کسی چیز کا توڑ کرنے کے لئے سب سے قوی ذریعہ اختیار کرتے ہیں اور یہ قوی ترین ذریعہ اس چیز کا انکار ہے۔ چنانچہ دیکھو گے کہ ابو مسلم اور سید احمد نے قرآن میں لہجہ کا انکار کر دیا۔ حجۃ اللہ البالغہ کے مصنف کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ اسی طرح سید احمد نے جب دیکھا کہ ظاہر قرآن کے لحاظ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معجزہ کی نفی ثابت ہوتی ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو اس اعتبار سے حضور پر فوقیت حاصل ہوتی ہے تو انہوں نے معجزہ ہی کا انکار کر دیا۔

نظم کی رعایت کے بغیر تفسیر اختلاف کا باعث ہے

ہم یہ دکھانے کے لئے کہ نظم کا لحاظ کئے بغیر کسی آیت کی تاویل کس طرح مختلف ہو جاتی ہے اور نظم کی رعایت کیسے اس کو واضح کر دیتی ہے، ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ سورہ نور کی آیت ۶۳:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ
كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ
بھوس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

”اس آیت کے مفہوم کے کئی پہلو ہیں۔ مبرداور قتال نے جس پہلو کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ تمہیں جو حکم دیں اور تمہارے لئے جو دُعا کریں اس کو وہ حیثیت نہ دو جو تم آپس میں ایک دوسرے کے حکم یا دُعا دیتے ہو۔ کیونکہ ان کا حکم ایک فرض لازم ہے۔ جو چیز اس مفہوم کی دلیل فراہم کرتی ہے وہ اس کے بعد کا جملہ:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخْلِفُونَ عَنْ

پس جو لوگ اس کے حکم سے گریز کرتے

رہے ہیں اس بات سے ڈریں کہ: ، ہے۔
اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہؐ کو اس طرح نہ پکارو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یعنی یا محمدؐ اور یا ابالقاسمؐ مت کہو بلکہ یا رسول اللہؐ اور یا نبی اللہؐ کہا کرو۔ یہ تاویل سعید بن جبیر کی ہے۔

اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہؐ کو پکارنے میں اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ گویا اس آیت کی مراد بھی وہی ہے جو آیت:

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ — الایہ کی ہے۔ یہ تاویل حضرت ابن عباسؓ کی اس کا چوتھا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہؐ کی بددعا سے بچو جس کا وبال ان کو ناراض کرنے کی صورت میں تم پر آپڑے گا۔ ان کی بددعا دوسرے لوگوں کی بددعا کی طرح نہ ہوگی۔

ان میں سے پہلی تاویل آیت کے نظم سے قریب تر ہے۔

امام صاحب نے اس تاویل کو قابل ترجیح قرار دیا ہے جس کے متعلق ان کا خیال یہ ہے کہ اس میں نظم قرآن کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

ہمارے خیال میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہؐ جب تمہیں بلائیں تو لازم ہے کہ ان کے پاس آؤ، خواہ یہ بلا نا تمہارے حق میں ہو یا تمہارے خلاف۔ اور ان کی بات سنو اور اس کی تعمیل کرو۔ جب تک رسول اللہؐ اس معاملہ کا فیصلہ نہ کر دیں جس کے لئے انھوں نے تم کو طلب کیا ہے، اس وقت تک ان کے پاس سے رخصت نہ ہونا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت گناہ ہے۔ آیت کے اس مفہوم کے حق میں پوری آیت کا مضمون دلیل مہیا کر رہا ہے۔ پوری

آیت یوں ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ
كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ
الَّذِينَ يَسْتَلُونَ مِنْكُمْ لَوْ آذًا فَلْيَعْذِرِ
الَّذِينَ يَخْلَفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ
فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
(نور: ۶۳)

تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا
بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔
اللہ تم میں سے ان لوگوں سے اچھی طرح باخبر رہا
ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے کھسک جایا
کرتے رہے ہیں پس جو لوگ اس حکم سے گریز کرتے
رہے ہیں اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی آزمائش
آجائے یا ان کو ایک دردناک عذاب آپکڑے۔

ہماری بیان کردہ تاویل کے حق میں ایک واضح دلیل اسی سورہ کی آیات ۵۲ تا ۵۴ ہیں۔
ممکن ہے مبرد اور قتال کے پیش نظر بھی یہی بات رہی ہو اور امام رازیؒ نے اس کو نہ سمجھا ہو۔

حَوَاشِی

۱۔ مثلاً سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ کی دعا کا ذکر ہے کہ اے رب مجھے قید خانہ گناہ کی زندگی سے زیادہ محبوب ہے،
اور عزیز مصر کے اہل خاندان کا یہ فیصلہ بھی بیان ہوا ہے کہ یوسفؑ کو کچھ مدت کے لئے قید کر دیا جائے لیکن ان
کے قید کئے جانے کا ذکر الفاظ میں نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے وزیر بننے کے بعد ان کے انعامات
کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا کہ قحط سے قبل انھوں نے غلے کی حفاظت کیسے کی اور قحط کے دوران اس کی تقسیم کا اہتمام
کیا ہوا۔ تھریک لخت بھائیوں کی مصر آمد پر آگلتا ہے۔ بھائیوں کی پہلی اور دوسری آمد کے درمیان کی
تفصیلات بھی حذف ہیں۔ قاری خود سمجھ لیتا ہے کہ فلاں واقعہ کے بعد کیا ہوا ہوگا۔ (مترجم)

۲۔ ان آیات میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے اور صاحبِ تدبر قرآن کے الفاظ میں ”یہ تنبیہ اتنی سخت و شدید ہے کہ
لفظ لفظ سے جوش غضب ابلا پڑ رہا ہے۔ پوری تقریر از ابتداء انتہا صرف فرد قرار داد جہاں پر مشتمل ہے
اور کلام کے جوش اور روانی کا یہ عالم ہے کہ بات شروع ہونے کے بعد یہ متعین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ختم کہاں ہوگا
اس قسم کے جوش اور یہ غضب کلام میں عموماً خیر حذف ہو جاتی ہے، گویا مشکل کا جوش ہی خبر کا قائم مقام
بن جاتا ہے۔ اور بلند آہنی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ علم کیا کہنا چاہتا ہے۔ (مترجم)

- ۳۷ مراد زرقاء الیما منہ ہے جس کا تعلق برآمد کے قبیلہ بنو جلدیس سے تھا اور وہ نظر کی تیزی کے لئے مشہور تھی۔ کہا جاتا تھا کہ زرقا تین دن کی مسافت کے علاقے کو دیکھ سکتی ہے۔ (مترجم)
- ۳۸ حارث بن حنظلہ لشکری۔ جاہلی شاعر جس کا قصیدہ تعلقات میں شامل ہے۔ (مترجم)
- ۳۹ بصرہ کے مشہور ادیب قاسم بن علی حریری (م ۸۱۶ھ) جن کی متعدد کتابوں میں سے مقامات حریری بے حد مشہور ہے۔ (مترجم)
- ۴۰ مراد ابومسلم اصفہانی (م ۲۲۲ھ) ہیں جن کی تفسیر جامع التاویل کے نام سے ہے۔ انھوں نے ایک کتاب النسخ والنسخہ کے نام سے لکھی جس کی طرف مصنف علیہ الرحمہ نے اشارہ کیا ہے۔ (مترجم)
- ۴۱ مراد سرسید احمد خان ہیں۔ (مترجم)

مطبوعات ادارہ علوم القرآن

- **قرآنی مقالات:** دائرہ حمید (مدارۃ الاصلاح، سراۃ میر) کے ترجمان "الاصلاح" کے منتخب مقالات کا مجموعہ جو اشعی وحوالوں کے ساتھ جدید انداز میں اصولی تفسیر نظم قرآن اور دوسرے اہم قرآنی مباحث پر تحقیقاتی مضامین کا نادر مرجع
- صفحات: ۳۳۰، قیمت عام ایڈیشن: ۶۰/-، لائبریری ایڈیشن: ۸۵/-
- **حقیقت نماز:** مولانا امین احسن اصلاحی
- نماز کے موضوع پر مولانا امین احسن اصلاحی کی مختصر لیکن نہایت قیمتی اور
- اہم کتاب صفحات: ۶۰، قیمت: ۵ روپے
- **کتابیاتِ فراہی؟:** ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی

- ✽ مفسر قرآن مولانا حمید الدین فراہی کی مطبوعات (کتب و مضامین) کے بارے میں بے گولگرافی کے جدید اصول کے مطابق مفید معلومات
- ✽ مولانا فراہی کی شخصیت، انکار و علمی خدمات پر مطبوعہ مواد کے مکمل حوالے۔
- ✽ ان کی نگارشات پر اہل علم کے تبصروں و تقاریظ کی نشاندہی
- تینوں کتب بیہ معیاری کتابت اور افسیٹ کی عمدہ کٹانٹ سے موزین اداروں، کتب خانوں اور تاجران کتب کے لئے خصوصی قیمت

- ملنے کے پتے: ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲
- مرکزی کتب خانہ اسلامی ۱۳۵۳، جتلی قبر، دہلی ۱۱۰۰۰۲
- © rasailojaraid.com